اسلام کو

حکمائے عصرِ حاضر کے تین چیلنج

جن کا جواب

علمائے اسلام کے ذِمّہ ہے

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم

(شائع شدہ ماہنامہ "میثاق" اپریل ۱۹۷۴ء)

یہ ایک کھلا خط ہے جو مخدومی پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم نے عزیزم ڈاکٹر ابصار احمد سلمہ کے نام اُن کی انگلستان سے واپسی کے فوراً بعد ۱۲/اکتوبر ۱۹۷۳ء کو لکھا تھا۔ اسے محض بالکل ہی ذاتی نوعیت کے حصے حذف کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ جیسا کہ خود چشتی صاحب مرحوم نے لکھا ہے' اس کے مخاطب صرف ڈاکٹر ابصار احمد نہیں بلکہ امت مسلمہ کے تمام ذہین اور باصلاحیت نوجوان ہیں ...... اسرار احمد

برخوردار' سعادت اطوار! اللہ تعالیٰ تمہیں سعادتِ دارین عطا فرمائے' اور فخر خاندان بنائے! چونکہ تمہیں میرے جذباتِ قلبی سے آگاہی نہیں ہے اس لئے تم میری مسرت کا اندازہ نہیں کر سکتے جو علم کے میدان میں تمہاری شاندار کامیابیوں سے مجھے حاصل ہوئی ہے۔ انہی جذبات کے اظہار کے لئے یہ طویل خط تمہیں لکھ رہا ہوں۔ اور

© rasailojaraid

چونکہ ان جذبات سے دوسرے مسلمان بھی مستفید ہو سکتے ہیں اس لئے یہ خط ''میثاق'' کے ذریعے سے تمہیں بھیج رہا ہوں۔ شاید تمہارے علاوہ اللہ کا کوئی نیک بندہ بھی میرے جذبات کو عملی جامہ پہنا کر داخلِ حسنات ہو سکے۔

تم مجھ سے زیادہ اس حقیقت سے آگاہ ہو کہ موجودہ صدی انکارِ روح' انکارِ خدا اور انکارِ عرفان (Gnosis) و وجدان (Intuition) کی علم بردار ہے۔ اقبال کے مرشدِ معنوی اکبر الہ آبادی نے اس صدی کے آغاز یعنی ۱۹۰۳/۴ء میں یہ شعر کہا تھا۔

غزؔالی و رُومؔی کی بھلا کون سنے گا
محفل میں چھڑا نغمہ اسپینسر و مِلؔ ہے!

تم تو اِن دونوں سے واقف ہو' مگر اس خط کے بعض پڑھنے والے شاید واقف نہ ہوں اس لئے اتنی صراحت ضروری ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں ان دونوں فلسفیوں کی تصانیف الہ آباد یونیورسٹی میں داخلِ نصاب تھیں اور یہ دونوں لاادریت کے مبلغ تھے۔ اور تم جانتے ہو کہ لاادریت انکارِ خدا' انکارِ رُوح اور انکارِ عالمِ آخرت کی طرف پہلا قدم ہے' ان کے مقابلے میں امام غزؔالی اور عارف رومؔی دونوں وجدان اور عرفان کے حامی ہیں۔

اگر اکبرؔ آج زندہ ہوتے تو وہ اپنی آنکھوں سے شجرِ لاادریت کے اثمارِ تلخ کی ہر دلعزیزی کا مشاہدہ کر لیتے۔ ساری دنیا ان کو نوشدارو سمجھ کر کھا رہی ہے اور آبِ حیات کے دھوکے میں پی رہی ہے۔

مذہب اس صدی میں اپنے زوال کی آخری سرحدوں کو چھو رہا ہے اور اخلاقِ حسنہ پر عالمِ نزع طاری ہے۔ اور آج کافر نہیں' بلکہ مسلمان اخلاقی اعتبار سے دنیا میں پست ترین قوم ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کفار (ہنود و مجوس و یہود و بودھ و نصاریٰ وغیرہم) اپنی مذہبی کتابوں اور ان کی تعلیمات سے آگاہ ہیں' لیکن مسلمان من حیث القوم قرآن حکیم سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ وہ سب کچھ پڑھتے ہیں' صرف قرآن نہیں پڑھتے اور جو پڑھتے ہیں وہ اسے سمجھتے نہیں۔ اسی لئے مسلمانوں کے اندر تبلیغ کا جذبہ بالکل فنا ہو چکا ہے۔

یہ ذوقِ تبلیغ کے مردہ ہو جانے ہی کا نتیجہ ہے کہ بیسویں صدی میں یورپ نے مسلمانوں کو جو چیلنج دیئے' آج تک کسی مسلمان کو اُن کا جواب دینے کی توفیق نہ مل سکی۔ اللہ کا اٹل قانون ہے کہ توفیق اسی کو ملتی ہے جو حصولِ توفیق کے لئے مجاہدہ (کوشش) کرے۔ ﴿لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی﴾ اس پر شاہد ہے۔

میرے محدود مطالعے کی رو سے بیسویں صدی میں یورپ نے مسلمانانِ عالم کو تین واضح چیلنج دیئے ہیں:

(ا) پہلا چیلنج اس صدی کے آغاز غالباً ۱۹۱۰ء میں انگلستان کے شہرۂ آفاق فلسفی بریڈلے (F.H.Bradlay) نے دنیا کے تمام حامیانِ مذہب کو دیا تھا۔ تم تو بریڈلے سے ضرور واقف ہوگے' لیکن عام قارئین کی اطلاع کے لئے اس قدر صراحت ضروری ہے کہ میری رائے میں ہیگل کے بعد دنیا میں تصوریتِ مطلقہ (Absolute Idealism) کا اس سے بڑا علمبردار اور کوئی نہیں گزرا اور اس کا شاہکار ''مظاہر اور حقیقت'' (Appearance & Reality) کانٹ کے شاہکار ''تنقیدِ عقلِ خالص'' (Critique of Pure Reason) کے بعد فلسفے کی دنیا میں سب سے بڑی تصنیف ہے۔ اور یہ رائے صرف میری نہیں ہے' بلکہ انگلستان کے مشہور فلسفی Edward Caird اور مشہور عالمِ الٰہیات ریشڈل (Rashdall) کی رائے بھی یہی ہے۔ نیز ہندوستان کے مشہور فلسفی پی۔ ٹی۔ راجو (P.T.Raju) کی رائے میں تو بریڈلے کا شمار دنیا کے عظیم ترین حکماء میں سے ہے۔

بریڈلے نے تو اپنی تصنیف مذکورہ کے پہلے حصہ میں مسلک مادیت کی تردید میں ایسی براہین قاطع اور ادلّۂ ساطع جمع کر دی ہیں جن کا جواب آج تک کسی مادہ پرست سے ممکن نہیں ہو سکا' اور نہ آئندہ ہو سکے گا۔ قدماء میں سے یونان میں زینو اور ہندوستان میں ناگارجن (بودھ دھرم) کے فلسفیانہ مدرسۂ فکر المسمٰی بہ شونیلے واد کا عظیم ترین علمبردار منطقی موشگافیوں میں بریڈلے کے ہم پلہ ہیں۔ بریڈلے کی عظمت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ عصر حاضر کا نامور فلسفی برٹرینڈ رسل (۱۸۷۲ء۔۱۹۷۰ء) جو تصوریت مطلقہ (Absolute Idealism) کا سخت

© rasailojaraid

com

مخالف ہے' بریڈلے کی عظمت و رفعتِ فکر کا ساری عمر معترف رہا۔ دیکھئے 'Sceptical Essays'p.39۔

آمدم برسر مطلب' بریڈلے نے اپنے مجموعہ مقالات موسومہ بہ 'Essays on Truth & Reality' کے ایک مقالے کے آخر میں (جس کا نام `On God and the Absolute' ہے) یہ قابل غور پیرا گراف لکھا ہے:

"There is,I should say, a need and there is even a certain demand for a NEW RELIGION. We want a creed to reorganise and justify in due proportion all human interests and at the same time to supply the INTELLECT with that to which it can hold with confidence. Whether we shall get this new religion, and if so, how, whether by modification of what exists or in some other way, I am unable to surmise, but it is not so far as I see in the power of philosophy to supply this general demand. And I must doubt the possibility for religious doctrine able in the end to meet our metaphysical requirement of ultimate consistency.

All that in my opinion we can reasonably desire is on one side a general faith and on the other side such a critical philosophy as would be able in some sense to justify end to support this faith. I think that any positive metaphysical doctrine must remain esoteric, is but a refuge amid general destitution. Therefore, a religious belief founded otherwise than a metaphysics and a metaphysics able in some sense to justify that creed seem to me what is required to fulfil our wishes. And though this fulfilment is a thing which I cannot myself expect to see, and though the obstacles in its way are certainly great, on the other hand I cannot regard it as impossible.

(F.H.BRADLAY: ESSAYS ON TRUTH AND REALITY p.p.446-47)

''میرے خیال میں دنیا کو اس وقت ایک نئے مذہب کی ضرورت ہے جس کے لئے کچھ تقاضے بھی ہونے لگے ہیں۔ ہمیں ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو تمام انسانی اغراض اور مطالبات کو ایک خاص تناسب کے ساتھ ملحوظ رکھے اور

om

ان کے جواز کا اعتراف کرے اور عقلِ انسانی کے لئے ایک ایسی بنیاد فراہم کرے جس پر پورے اعتماد سے بھروسہ کیا جا سکے۔ کیا ہم یہ نیا مذہب حاصل کر لیں گے؟ کیا یہ نیا مذہب موجودہ مذاہب میں ترمیم و تنسیخ کے ذریعے بنے گا یا کسی اور طریقے سے' مَیں اس کا فی الحال کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ لیکن جہاں تک میری بصیرت کام کرتی ہے' دنیا کے اس عام تقاضے کو پورا کرنا فلسفے کے بس کی بات نہیں ہے۔ مجھے اس امر میں بھی شک ہے کہ کسی مذہب کے اصول بالآخر ہماری "ultimate consistency" کی مابعدالطبیعیاتی ضرورت کو پورا کر سکیں گے۔ میری رائے میں جس چیز کی ہم معقول طور پر خواہش کر سکتے ہیں' وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو ایک عقیدہ ہو اور دوسری طرف ایک تحقیقی فلسفہ' جو اس عقیدے کے لئے جواز اور استدلال مہیا کرے۔ میرا خیال ہے کہ کسی مثبت مابعدالطبیعیاتی نظریئے کی بنیاد باطنی تجربے پر ہونی چاہئے' جبکہ مذہب کی بنیاد اگر باطنی تجربے پر ہو تو وہ زندگی سے فرار اور محرومی کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لئے ایک مذہبی عقیدہ جس کی بنیاد مابعدالطبیعیات کے سوا کسی اور چیز پر ہو یا ایسا مابعدالطبیعیاتی فلسفہ جو کسی مذہبی عقیدے کی تائید کر سکے' ہماری خواہشات کو پورا کر سکتا ہے۔ ممکن ہے مَیں خود اس خواہش کو پورا ہوتے ہوئے نہ دیکھ سکوں۔ اور اگرچہ اس راستے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں لیکن پھر بھی مَیں اس کی تکمیل کو ناممکن نہیں سمجھتا''۔

تمہاری آگاہی اور معلومات میں اضافے کی خاطر یہ بات ذیل میں درج کرنا چاہتا ہوں کہ اس پیراگراف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ پروفیسر جیمس وارڈ نے اپنے آخری مقالے میں' جو انہوں نے اپنی وفات سے چند ماہ پہلے لکھا تھا' مرقومہ بالا پیراگراف کو من و عن نقل کیا ہے۔ ان کے مقالے کا عنوان ہے: ''ایمان اور حیاتِ ابدی''۔

خلطِ مبحث کے خوف سے مَیں اس مقالے کا تعارف پیش نہیں کروں گا' لیکن وارڈ سے متعلق چند تعارفی الفاظ ضرور لکھنا چاہتا ہوں۔

یہ مذہبی فلسفی جو دراصل ایک عالم الٰہیات تھا' بریڈلے کا ہم عصر تھا۔ اُس نے بریڈلے

© rasailojaraid

سے ایک سال کے بعد ۱۹۲۵ء میں وفات پائی۔ اس کی دو کتابیں بہت مشہور ہوئیں:

1- *Naturalism and Agnosticism.* 1899

2- *The Realm of Ends : Pluralism & Theism.* 1911

بریڈلے تصوریتِ مطلقہ کا علمبردار تھا اور جیمس وارڈ تصوریت کا مخالف اور حامیٔ مذہبِ عیسوی عالم تھا۔ لیکن اس نے بریڈلے کے اس چیلنج کو اس قدر وقیع اور لائقِ توجہ سمجھا کہ اپنے مقالے میں اس کو لفظ بلفظ نقل کیا اور اس سے ایمان کی اہمیت پر استشہاد کرنے کے بعد یہ تمنا ظاہر کی کہ ''میں تو اب لبِ گور ہوں' کاش کیمبرج کا کوئی عالم الٰہیات' آکسفورڈ کے اس شہرۂ آفاق فلسفی کے چیلنج کا جواب باصواب لکھے''۔

وارڈ نے یہ مضمون ۱۹۲۵ء میں لکھا تھا' مگر ابھی تک کسی نصرانی عالم نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی تثلیث' تجسم اور کفارہ کا معتقد بریڈلے کے چیلنج کا جواب دے ہی نہیں سکتا۔

(۲)

۱۹۳۸ء میں لارڈ لوتھین نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جو خطبۂ تقسیم اسناد (Convocation Address) دیا' اس میں اس نے بایں الفاظ مسلمانوں کو چیلنج دیا:

''میرے عزیز مسلمان نوجوانو!

اس وقت یورپ روحانی اعتبار سے مُردہ[۱] ہے۔ اور اخلاقی لحاظ سے مریض[۲] ہے اور معاشی زاویہ نگاہ سے سخت مضطرب[۳] ہے۔ اور تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں[۴] مار رہا ہے۔

وہ اپنی اجتماعی زندگی کے کسی مسئلے کو تسلی بخش طریقے سے حل نہیں کرسکتا۔

وہ اس وقت ایسے نظامِ حیات کی تلاش میں ہے جو اُس کے روحانی' اخلاقی' سیاسی' معاشی اور عمرانی مسائل کا تسلی بخش حل پیش کر سکے۔

---

(۱) مردہ لادینیٔ افکار سے افرنگ میں عشق — عقل بے ربطیٔ افکار سے مشرق میں غلام (اقبال)

(۲) یورپ از شمشیرِ خود بسمل فتاد! — زیرِ گردوں رسمِ لادینی نہاد! (اقبال)

(۳) اک اضطراب ہے دنیا کو ناصبوری سے — سبب یہ ہے کہ وہ محروم ہے حضوری سے (اکبر)

(۴) قدح خرد فروزے کہ فرنگ داد مارا — ہمہ آفتاب لیکن اثر سحر ندارد (اقبال)

com
om

اے نوجوانو! تمہارا دعویٰ ہے کہ اسلام بنی آدم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اس میں عقل، دل اور نگاہ تینوں کی تشفی بلکہ آبیاری کا سامان موجود ہے۔ لہٰذا میں تمہیں مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ تم تازہ گریجویٹوں میں سے جو لوگ اپنے دین کی صداقت پر پختہ یقین رکھتے ہیں، وہ اپنے دین کی تبلیغ کے لئے یورپ کے مختلف ملکوں میں مبلغ اسلام کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کریں اور اپنی زندگی اس مقدس کام کے لئے وقف کر دیں۔"

میرے بیٹے! میں نے یہ چیلنج ۱۹۳۸ء میں پڑھا تھا۔ وہ رسالہ تو ضائع ہو گیا مگر چیلنج کا مفہوم اُسی وقت میرے دل پر نقش ہو گیا تھا۔ لارڈ موصوف کا یہ خطبہ ہندوستان کے کئی اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوا تھا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔

(۳)

تیسرا چیلنج پروفیسر ولیم منٹگمری واٹ نے ۱۹۵۶ء میں دیا۔ یہ فاضل شخص ایڈنبرا یونیورسٹی میں عربی کا پروفیسر تھا۔ اور اس نے بڑی جانفشانی اور تحقیق کے بعد آنحضرت ﷺ کی سیرت، شخصیت، کارہائے نمایاں اور آپؐ کے پیدا کردہ انقلاب پر دو کتابیں لکھیں:

1- 'Mohammad at Mecca'

2- 'Mohammad at Madina'

یہ دونوں کتابیں ایک خاص نہج پر لکھی ہیں اور جہاں تک میری محدود معلومات کا تعلق ہے، انگریزی یا کسی اور زبان مثلاً اردو، فارسی اور عربی میں کسی شخص نے یہ اندازِ سیرت نگاری اختیار نہیں کیا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ دونوں کتابوں کے چھ سو صفحات پڑھ لینے کے بعد آنحضرت ﷺ کی پیغمبرانہ عظمت کا کوئی نقش قاری کے ذہن پر قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے مستشرقین کی تصانیف کا طغرائے امتیاز۔

بہر حال اپنی دوسری تصنیف (Mohammad at Madina) میں صفحہ ۳۳۳

© rasailojaraid

پروان نے حسبِ ذیل الفاظ میں ساری دنیائے اسلام کو چیلنج دیا ہے:

''اب مسلمان اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ محمدؐ تمام بنی نوعِ انسان کے لئے کردار اور اخلاق کا ایک مثالی نمونہ ہیں۔ یہ دعویٰ کر کے وہ دنیا کو اس امر کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ حضورؐ کے اخلاق کا جائزہ لیں..... کیا محمدؐ کی زندگی اور تعلیمات سے ایسے اصول سیکھے جاسکتے ہیں جو مستقبل کی دنیا کے لئے ایک واحد ضابطۂ اخلاق کی بنیاد بن سکیں؟

دنیا نے ابھی اس سوال کا حتمی جواب فراہم نہیں کیا۔ مسلمانوں نے محمدؐ کے متعلق اپنے دعوے کی تائید میں جو کچھ کہا ہے' وہ اس دعوے کے ابتدائی بیانات سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا' اگرچہ کچھ عیسائی اس سے متاثر بھی ہوئے ہیں۔ دنیا محمدؐ کے متعلق اس دعوے کا کیا جواب دیتی ہے' اس کا انحصار کسی حد تک اس بات پر بھی ہے کہ آج کل کے مسلمانوں کا اپنا عمل کیا ہے۔ یہ بات ابھی مسلمانوں کے ذمے ہے کہ وہ باقی دنیا کے سامنے اپنے دعوے کا بھرپور اور بہتر ثبوت پیش کریں۔ کیا مسلمان محمدؐ کی زندگی کی طرف پھر رجوع کر سکیں گے اور اس میں سے عالمگیر اصولوں کو ہنگامی خصوصیات سے الگ کر کے ایسے اخلاقی اصولوں کا انکشاف کر سکیں گے جو دنیا کی موجودہ حالت کو بہتر بنانے کے لئے ان کی جانب سے ایک تعمیری کوشش ثابت ہو؟ یا اگر یہ امر توقع سے کچھ زیادہ ہے تو کیا مسلمان' کم از کم' یہ ثابت کرنے کے قابل ہو سکیں گے کہ محمدؐ کی زندگی متحدہ عالم کے اخلاق کے لئے مثالی انسان کی ایک قابلِ عمل مثال ہے؟ اگر وہ ایسا کرنے کے قابل ہو سکیں تو کچھ عیسائی یقیناً ان کی بات سننے کو تیار ہو جائیں گے۔

مَیں اپنی ذاتی رائے کو چھپانا نہیں چاہتا۔ میرے خیال میں مسلمان دنیا کی رائے کو متاثر کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے' کم از کم اخلاق کے میدان میں۔ عیسائی یورپ کو اس امر کا قائل کرنے کے لئے کہ محمدؐ کی تقلید سے اخلاق کے مثالی نمونے پیدا ہو سکتے ہیں' مسلمانوں کو تا حال بہت کم' بلکہ کوئی کامیابی حاصل ہی نہیں ہوئی۔''

(Mohammad at Madina, pp. 333-334, 1962)

com

میرے بیٹے! یہ ہیں وہ تین زبردست چیلنج جو عیسائی دنیا نے مسلمانانِ عالم کو اِس صدی میں دیئے ہیں۔ ہماری قوم کے علمائے کرام اور صوفیانِ عظام چونکہ بالعموم انگریزی زبان سے ناآشنا ہیں اس لئے نہ وہ ان چیلنجوں کو پڑھتے ہیں اور نہ ان اعتراضات سے آگاہ ہوسکتے ہیں جو یورپ کا مذہبی طبقہ قرآن اور حاملِ قرآن پر دوسو سال سے کرتا چلا آرہا ہے۔ سچ کہا تھا کسی نے کہ ''لاعلمی بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔''
اسی لئے ہمارے علماء اور صوفیاء کی راتیں کسی قسم کی کشمکش میں نہیں گزرتیں اور اسی لئے تو وہ بڑے اطمینان سے تعیین تعدادِ رکعاتِ تراویح، قراءتِ فاتحہ خلف الامام، تقبیل الابہامین، رفع سبابہ، آمین بالجہر، رفع یدین اور الزاق الکعبین بلکہ امکانِ کذبِ باری اور امتناعِ نظیرِ پیغمبر جیسے ''مفید اور ایمان افروز'' مسائل میں منہمک رہتے ہیں۔ (۱)

رہے ہماری قوم کے انگریزی دان حضرات، تو وہ ان چیلنجوں سے تو آگاہی حاصل کرلیتے ہیں مگر چونکہ قرآن اور اس کی زبان دونوں سے نابلد ہیں (اِلا ماشاء اللہ) اس لئے کسی چیلنج کو قبول نہیں کرسکتے۔ صرف چند لمحات کے لئے متاسف ہوکر پھر ''کارِ دیگر'' میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ خلاصۂ کلام اینکہ عربی دان اور انگریزی دان دونوں میں سے کوئی طبقہ کسی چیلنج کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۱) اندریں حالات مَیں تمہیں ان تینوں چیلنجوں کو قبول کرنے کا مشورہ دیتا ہوں اور اسی غرض سے یہ خامہ فرسائی کی ہے۔ تم نے بفضل خدا انگلستان سے فلسفے میں ماسٹر آف فلاسفی کی ڈگری بھی حاصل کی ہے اور فلسفۂ جدیدہ میں ڈاکٹریٹ کا اعزاز بھی حاصل کیا۔

۲) تم ایک دین دار اور علم دوست خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔

۳) تم نے دینی ماحول میں پرورش پائی ہے۔

۴) تمہارے اندر دین کی تبلیغ کا جذبہ بھی موجود ہے۔ اور

۵) تم دینِ اسلام کو علیٰ وجہ البصیرت بنی آدم کے لئے بہترین ضابطۂ حیات یقین

(۱) واضح ہو کہ میں نے مثالاً یہ چند مسائل لاطائل درج کردیئے ہیں۔ اگر استقصاء کیا جائے تو کئی صفحات سیاہ ہوسکتے ہیں۔

© rasailojaraid

کرتے ہو۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تمہارے بڑے بھائی اخویم اسرار احمد سلّمہٗ نے اپنی زندگی اشاعتِ قرآن کے لئے وقف کر کے تمہارے لئے ایک اعتبار سے اُسوۂ حسنہ بھی پیش کر دیا ہے۔

لہٰذا اب جس طرح تمہارے بڑے بھائی نے اپنی زندگی دعوت الی القرآن کے لئے وقف کر دی ہے تم اپنی زندگی مغرب کو اسلام کی خوبیوں سے روشناس کرانے کے لئے وقف کر دو تو تمہیں وہ کامیابی حاصل ہو گی جو تمہارے پیش رو حضرات کو حاصل نہ ہو سکی۔ مَیں ان سب لوگوں کو جانتا ہوں جنہوں نے بیسویں صدی میں اپنی زندگی تبلیغ کے لئے وقف کی مگر اُن میں سے کوئی شخص منطقی اور فلسفی نہیں تھا' اور اس لئے وہ اسلام کو دیہات میں تو پیش کر سکے' آکسفورڈ یا کیمبرج میں پیش نہ کر سکے۔

دیکھ لو! ٹیگور اور رادھا کرشنن نے آکسفورڈ اور کیمبرج میں ہندو دھرم کو پیش کر کے غیروں کی نگاہ میں کتنی شہرت اور اپنوں کی نظر میں کتنی عزت حاصل کی ہے! یہ میرے سامنے کی بات ہے۔ اگر مل سکے تو رادھا کرشنن کی 'An idealist View of Life' ضرور پڑھ لینا۔ یہ 'Hibbert Lectures' ہیں اور ان میں اس نے ہندوؤں کے فلسفیانہ مذہب یعنی 'Vedantic Idealism' کی برتری تمام مدارسِ فلسفہ پر ثابت کر کے اپنی علمیت اور ویدانت کی عظمت کا سکہ انگریزوں کے دل و دماغ پر جما دیا ہے۔ پروفیسر میکنزی' پروفیسر میور ہیڈ اور پروفیسر جوڈ کا اعتراف تو مَیں خود پڑھ چکا ہوں ۔

من آنچہ شرطِ بلاغ است باتو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال!

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

خاک نشین بندۂ مسکین
یوسف سلیم چشتی الحسینی

لاہور
۱۶/اکتوبر ۱۹۷۳ء